رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیدائش سے آغاز نبوت تک

(۲)

سفر شام اور بحیریٰ راہب کا واقعہ ایک مرتبہ ابوطالب ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ایک روایت کے مطابق ۹ سال اور دوسری روایت کی رو سے ۱۲ سال تھی اور یہی دوسری روایت صحیح ہے۔ جب ابوطالب چلنے لگے تو حضورؐ اُن سے لپٹ گئے اور (ابن سعد کی روایت کے مطابق) آپ نے اُن سے کہا "چچا جان! آپ مجھے کس پر چھوڑے جا رہے ہیں، میری نہ ماں ہے نہ باپ جو میری دیکھ بھال کرے"۔ اس پر ابوطالب کا دل پگھل گیا اور انہوں نے کہا "خدا کی قسم میں نہ اسے جدا کروں گا نہ اس سے جدا ہوں گا۔ یہ میرے ساتھ جائے گا"۔

یہ قافلہ جب شام کے علاقے میں بُصریٰ پہنچا اور بحیریٰ (یا بحیرا) راہب کے صومعہ کے پاس ٹھہرا تو اپنے معمول کے خلاف بحیریٰ نکل کر آیا، حالانکہ وہ کبھی کسی قافلے کے لیے اپنے صومعہ سے نہ نکلتا تھا۔ اس نے اس سارے قافلے کے لیے کھانا پکوایا اور دعوت دی کہ سب لوگ کھانے کے لیے آئیں، کوئی پیچھے نہ رہے۔ دعوت کے وقت سب قافلے والے گئے، مگر حضور کو آپ کی کم سنی کے باعث اپنے پڑاؤ میں چھوڑ گئے۔ بحیریٰ نے کہا کیا سب لوگ آ گئے ہیں؟ لوگوں نے کہا بس ایک کم سن لڑکا ہے جسے ہم اپنے سامان کے ساتھ پڑاؤ میں چھوڑ آئے ہیں۔ اس نے کہا نہیں اسے بھی بلاؤ۔ قریش میں سے ایک آدمی نے لات اور عُزّیٰ کی قسم، یہ ہمارے لیے بری بات ہو گی کہ محمدؐ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ وہ گیا اور آپ کو لے آیا۔ آپ کے آنے کے بعد بحیریٰ آپ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا اور آپ کے بُشرے کا جائزہ لیتا رہا۔ کھانے کے بعد وہ آپ کے پاس آیا اور کہا "میاں لڑکے میں تم کو لات و عُزّیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں اس کا جواب دو"۔ حضورؐ نے فرمایا "مجھے لات و عُزّیٰ کی قسم نہ دو، میں اُن سے بڑھ کر کسی چیز سے بغض نہیں رکھتا"۔ اس نے کہا "اچھا تو اللہ کے واسطے مجھے اُن باتوں کا جواب دو جو میں پوچھوں"۔ آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ اس کے بعد اس نے آپ کے حالات، آپ کی نیند، آپ کی ہیئت اور دوسرے امور کے متعلق دریافت کیا۔ اور آپ جواب دیتے رہے۔ پھر وہ آپ کے گرد پھر کر آپ کے جُثّے کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے

بعد ابوطالب سے اس نے پوچھا کہ یہ آپ کا کون ہے؟ انہوں نے کہا میرا بیٹا ہے۔ بحیریٰ نے کہا اس لڑکے کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا۔ ابوطالب نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس نے کہا اس کے باپ کو کیا ہوا؟ ابوطالب نے جواب دیا یہ ابھی بطن مادر میں تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اس نے کہا تم نے سچ کہا۔ پھر بحیریٰ نے کہا "اپنے بھتیجے کو اپنے وطن واپس لے جاؤ اور یہودیوں سے اس کو بچاؤ۔ واللہ، اگر انہوں نے اس کو دیکھ کر وہ باتیں پہچان لیں جو میں نے پہچانی ہیں تو وہ اس کے ساتھ کوئی شرارت کریں گے۔ کیونکہ تمہارا یہ بھتیجا بڑی عظیم شخصیت کا مالک ہے۔" چنانچہ ابوطالب نے جلدی جلدی اپنا تجارتی کام انجام دیا اور آپ کو لے کر واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ ہے جس پر مستشرقین نے بہت سے قیاسات کی عمارت اٹھائی ہے اور ان علوم کو جو بعد میں رسول ہونے کے بعد آپ سے ظاہر ہوئے عیسائی راہبوں سے حاصل کردہ معلومات قرار دیا ہے۔ اس پر مزید خود ہمارے ہاں کی بعض روایات بھی ایسی ہیں جو ایک حد تک ان قیاسات کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ دراصل یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ایک زاہد مرتاض آدمی، جس نے مجاہدوں سے اپنی روحانی قوتوں کو نشوونما دیا ہو، کچھ غیر معمولی برکات کے آثار دیکھ کر محسوس کر لے کہ اس قافلے میں کوئی عظیم شخصیت موجود ہے، اور آپ کو دیکھ کر اسے اپنے اندازوں کی تصدیق ہوگئی ہو۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ آپ ہونے والے نبی ہیں۔ حافظ ابوبکر الخرائطی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت نقل کی ہے کہ بحیریٰ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ:

هٰذا سيد العالمين — یہ تمام دنیا کا سردار ہے

بیہقی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس نے کہا:

هٰذا رسول رب العالمين يبعثه الله رحمة للعالمين — یہ رب العالمین کا رسول ہے جس کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

قریش کے شیوخ نے پوچھا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ بحیریٰ نے کہا کہ "جب تم گھاٹی سے گزر کر اس طرف آئے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ نہ کر رہا ہو، اور یہ ایک نبی کے سوا کسی کے لیے نہیں جھکتے۔" آگے چل کر اس روایت میں یہ ہے کہ ابوطالب نے اس کے اصرار پر حضورؐ کو وہیں سے ابوبکرؓ اور بلالؓ کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا۔ اسی طرح ترمذی، حاکم، اور ابن عساکر نے بھی یہ قصہ نقل کیا ہے۔

لیکن اول تو خود اس حدیث میں یہ عجیب بات بیان کی گئی ہے کہ حضورؐ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کے ساتھ مکہ واپس بھیجا گیا۔ حالانکہ جب حضورؐ ۱۲ برس کے تھے تو حضرت ابوبکرؓ اس وقت ۱۰ برس کے ہوں گے اور

حضرت بلال کی عمر اس سے بھی کم ہوگی۔ یہ بات کیسے سمجھ میں آسکتی ہے کہ حفاظت کے لیے آپ کو خود آپ سے چھوٹے لڑکوں کے ساتھ بھیجا گیا ہو۔ پھر حضرت بلال اُس وقت نہ حضرت ابوبکر سے وابستہ تھے، نہ بنی عبدالمطلب سے ان کا کوئی واسطہ تھا کہ ابوطالب ان سے کوئی خدمت لے سکتے۔ لیکن سب سے بڑی بات جس کی بناء پر نہ صرف یہ روایت، بلکہ وہ تمام روایات جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے اور قریش کے لوگوں کے سامنے کسی نے آپ کے رسول یا نبی ہونے کی پیشینگوئی کی تھی اس بناء پر قابل قبول نہیں ہیں کہ وہ صریح قرآن کے خلاف ہیں اور حضورؐ کی رسالت کے بعد کے متواتر اور کثیر و مشہور واقعات کے بھی خلاف پڑتی ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (القصص۔ ۸۶) — اور اے نبی، تم ہرگز اس کے امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ۔ ۵۲) — تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔

یہ آیات اس باب میں بالکل قطعی الثبوت ہیں کہ نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے سے پہلے آپ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ یہی کچھ اُن روایات سے معلوم ہوتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ وحی نازل ہونے کے بعد آپ پر کیا کیفیت طاری ہوئی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ وہ کیفیت آپ پر طاری نہ ہوتی اگر آپ پہلے سے نبی ہونے کے متوقع ہوتے۔ پھر بھی کچھ اُن کثیر اور متواتر روایات سے معلوم ہوتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ آپ کے اعلان نبوت اور آغاز دعوت کا کیا ردعمل آپ کی قوم کی طرف سے ہوا۔ اگر پہلے سے لوگوں کو بتا دیا گیا ہوتا کہ آپ نبی ہونے والے ہیں تو یہ چیز اُن لوگوں کے لیے خلاف توقع نہ ہوتی اور ان کا ردعمل اس صورت میں اُس سے بہت مختلف ہوتا جو بالکل ایک خلاف توقع معاملہ پیش آنے سے ہوا۔

حرب فجار ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضورؐ ۱۴۔ ۱۵ سال کے تھے جب حرب فجار واقع ہوئی۔ ابن اسحاق ابن سعد اور ابن جریر کا بیان ہے کہ یہ جنگ ۲۰ عام الفیل[۵] میں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر اس وقت ۲۰ سال ہونی چاہیے۔ اس میں ایک فریق بنی کنانہ تھے (جن میں قریش بھی شامل تھے) اور دوسری طرف قیس عیلان تھے (جن میں ثقیف اور ہوازن وغیرہ

۵؎ عام الفیل سے مراد ہے ہاتھیوں کا سال، یعنی جس سال اصحاب الفیل نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ ایسا غیر معمولی واقعہ تھا کہ اس کے بعد اہل عرب اسی سال سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے تھے۔

شامل تھے) ۔ جنگ اس بات پر چھڑی تھی کہ بنی ہوازن میں سے عُروَۃُ الرَّحَّال نامی ایک سردار نے نُعمان بن مُنذِر کے تجارتی قافلہ کو اپنی امان میں بازارِ عُکاظ جانے کے لیے رہگذر عطا کر دی تھی ۔ بنی کنانہ کے ایک سردار بَرّاض بن قیس نے کہا کیا تو کنانہ کے مقابلہ میں بھی اس کو امان دے رہا ہے ؟ اس نے کہا " ہاں اور تمام دنیا کے مقابلے میں بھی " ۔ اس پر براض کو تاؤ آ گیا اور اس نے نجد کے بالائی علاقہ میں تَیمَن کے مقام پر عروہ کو قتل کر دیا ۔ یہ فعل چونکہ حرام مہینے میں ہوا تھا اس لیے اس پر جو جنگ چھڑی اُس کو حربِ فجار کا نام دیا گیا ۔ قریش ابھی عُکاظ کے بازار میں تھے کہ ان کو اس کی خبر پہنچ گئی اس لیے وہ فوراً حرم کی طرف روانہ ہو گئے ، مگر قبل اس کے کہ وہ حدودِ حرم میں داخل ہوتے ، ہوازن نے اُن کو جا لیا اور دن بھر لڑائی ہوتی رہی ۔ رات کو قریش حرم کے حدود میں پہنچ گئے اور ہوازن رُک گئے ۔ اس کے بعد لڑائیوں کا سلسلہ چلتا رہا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے بعض لڑائیوں میں صرف اس حد تک شریک ہوئے کہ جو تیر دشمن کی طرف سے آتے تھے انہیں اٹھا کر آپ اپنے چچاؤں کو دے دیا کرتے تھے ۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ بعد میں حضور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس میں اتنا حصہ بھی نہ لیتا تو اچھا ہوتا ۔

اس ایک واقعہ کے سوا غزواتِ نبوی سے پہلے آپ نے کبھی کسی جنگ میں نہ شرکت کی اور نہ آپ کو کسی قسم کا جنگی تجربہ حاصل ہوا ۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دامن جاہلیت کی لڑائیوں سے پاک رہا ، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دورِ نبوت کے غزوات میں آپ سے جو عظیم قائدانہ صلاحیتیں ظاہر ہوئیں وہ سراسر خداداد تھیں ۔ آپ پیشہ ور سپہ سالار نہیں بلکہ پیدائشی سپہ سالار تھے ۔

حِلفُ الفُضول حضور ۲۰ سال کے تھے کہ قبائل قریش نے ایک عہد نامہ کیا جسے تاریخ میں حِلفُ الفُضول کہا جاتا ہے ۔ (یعنی اس بات کا معاہدہ کہ فضل اہل فضل کی طرف واپس کیا جائے اور کوئی ظالم مظلوم پر زیادتی نہ کرے) ۔ ابن سعد نے اس معاہدہ کی تاریخ ذی القعدہ ۲۰ عام الفیل لکھی ہے ۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ زُبید (یمن کے ایک قبیلے) کا ایک شخص کچھ تجارتی سامان لے کر مکہ آیا اور اس سے مکہ کے ایک سردار عاص بن وائل نے مال خرید لیا مگر قیمت نہ دی ۔ اُس نے بنی عبدالدار ، بنی مخزوم ، بنی جُمَح ، بنی سَہم ، بنی عَدِی میں سے ایک ایک کے پاس جا کر فریاد کی مگر سب نے اسے جھڑک دیا اور عاص بن وائل کے مقابلے میں اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا ۔ سب طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد وہ صبح کے وقت کوہ ابو قُبَیس پر چڑھ گیا اور اُس نے بلند آواز سے آلِ فہر کو پکار کر اپنی مظلومیت سے آگاہ کیا ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب اٹھے اور انہوں نے کہا کہ یہ معاملہ اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا ۔ پھر انہوں نے بنی ہاشم ، بنی عبدالمطلب ، بنی اسد بن عبدالعُزّیٰ ، بنی زُہرہ اور بنی تیم

کو عبداللہ بن جُدعان کے گھر میں جمع کیا (جو حضرت عائشہ کا چچازاد بھائی تھا) اور وہاں سب نے عہد کیا کہ مکہ میں شہر کا یا باہر کا جو شخص بھی مظلوم ہوگا اس کی مدد کریں گے اور ظالم سے اس کا حق دلوا کر چھوڑیں گے چنانچہ اس کے بعد سب مل کر عاص کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا سامان واپس لے کر دیا۔

محمد بن اسحاق نے امام زُہری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے ہاں ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا کہ اگر مجھے سرخ اونٹ بھی اس کے بدلے ملتے تو میں اسے چھوڑ کر انہیں قبول نہ کرتا اور اگر آج دورِ اسلام میں بھی ایسے کسی معاہدے کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ تجارت میں شرکت

۲۰ اور ۲۵ سال کی عمر کے درمیان حضورؐ کے وہ جوہر ساری قوم پر (اور قوم سے مراد یہاں آپ کا قبیلہ قریش ہے) عیاں ہوتے چلے گئے جو بچپن سے اب تک ایک محدود دائرہ میں معلوم و معروف تھے۔ آپ کی شرافت، دیانت وامانت، صداقت شعاری، حسن اخلاق، نیک نفسی، سنجیدگی و دانشمندی، ضبطِ نفس اور حلم و وقار، عالی حوصلگی اور سردارانہ شان، غرض ایک ایک خوبی نمایاں ہونے لگی جس کی وجہ سے آپ کا غیر معمولی احترام اور اعتماد اور نفوذ و اثر لوگوں میں قائم ہوتا چلا گیا۔ یہی زمانہ ہے جب حضرت خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ تجارتی شرکت کا معاملہ کیا۔

حضرت خدیجہؓ قریش میں اپنی عفت اور پاکیزہ سیرت کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے معروف تھیں۔ پورے قبیلے میں ان کی دانائی اور فہم و فراست اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ قریش کی کوئی عورت اُن سے زیادہ مالدار نہ تھی۔ بسا اوقات قریش کا آدھا قافلہ صرف ان کے مال پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلے ان کی شادی ابوھالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی جس سے دو بچے ہند اور ھالہ پیدا ہوئے اور دورِ رسالت میں دونوں مسلمان ہوگئے۔ ابوہالہ کی وفات کے بعد ان کی شادی عتیق بن عابد المخزومی سے ہوئی جس سے ان کی صاحبزادی ہند پیدا ہوئیں اور عہد نبوت میں وہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اس دوسرے شوہر کی وفات کے بعد وہ بیوہ ہی رہیں۔ قریش کے بہت سے سرداروں نے چاہا کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کر لیں، مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ اپنے مال سے وہ تجارت کرتی تھیں اور کسی نہ کسی شخص سے معاملہ کر لیتی تھیں کہ وہ ان کی طرف سے تجارتی قافلوں میں جائے اور مقرر حصہ لے لے۔

انہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور امانت اور بلند اخلاق کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے

آپ سے کہا کہ آپ میرا مال تجارت شام لے جائیں، میں دوسروں کو جتنا حصہ دیتی ہوں، آپ کو اس سے زیادہ دوں گی۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔

دوسری روایت جو ابن سعد اور زُرقانی نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ ابو طالب نے حضورؐ سے کہا "بھتیجے میں مال دار آدمی نہیں ہوں، ہمارے حالات خراب ہو رہے ہیں، اور ہمارے پاس کوئی مال تجارت بھی نہیں ہے۔ یہ قافلہ جو تمہاری قوم شام کی طرف بھیج رہی ہے اس کے چلنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس میں خدیجہ بھی اپنا مال بعض لوگوں کے ہاتھ تجارت کے لیے بھیجنا چاہتی ہیں۔ اگر تم ان کے پاس جاؤ تو وہ تمہیں دوسروں پر ترجیح دیں گی۔ کیونکہ انہیں تمہاری پاکیزہ سیرت کا حال معلوم ہے"۔ حضورؐ نے فرمایا شاید خدیجہؓ مجھے خود اس کام کے لیے کہلوائیں گی۔ ابو طالب نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ کسی دوسرے کو منتخب نہ کرلیں۔ چچا بھتیجے کی یہ گفتگو حضرت خدیجہ تک پہنچ گئی، مگر حضور کا اندازہ بالکل صحیح نکلا، کیونکہ وہ پہلے ہی حضورؐ کو وہ پیغام بھیج چکی تھیں جس کا ذکر اوپر ابن اسحاق کے حوالہ سے کیا جا چکا ہے۔

طبقات ابن سعد میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابو طالب نے حضرت خدیجہؓ سے جا کر کہا کہ اے خدیجہ کیا تم پسند کرو گی کہ اپنی تجارت کے لیے کسی اور کی خدمات حاصل کرنے کے بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاملہ کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ اگر کسی دور کے ناپسندیدہ آدمی کے لیے بھی فرماتے تو میں مان لیتی، آپ تو ایسے شخص کے لیے کہہ رہے ہیں جو حبیب و قریب ہے۔

غرض حضرت خدیجہ سے حضور کا تجارتی معاملہ طے ہو گیا اور انہوں نے اپنے غلام مَیسَرہ کو آپ کے ساتھ اس تجارتی سفر پر شام بھیج دیا۔ اس سفر میں میسرہ نے حضور کے اخلاق، عادات اور خصائل کی وہ خوبیاں دیکھیں جن سے وہ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ واپس آکر اس نے حضرت خدیجہ کو تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اس نے آپ کو کیسا پایا۔ تجارت میں بھی حضورؐ نہایت کامیاب رہے اور پہلے جتنا کچھ منافع کما کر دوسرے لوگ ان کو لا کر دیتے تھے آپ نے اس سے دُگنا منافع لا کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے بھی آپ کو جتنا دینے کا وعدہ کیا تھا اس سے دوگنا دیا۔ اس سلسلے میں بھی متعدد روایات ایسی بیان کی گئی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ مَیسَرہ کو شام کے ایک راہب نَسطورا اور ایک دوسرے شخص نے بتایا تھا کہ آپ ہونے والے نبی ہیں اور مَیسَرہ نے یہ بات شام سے واپس آکر حضرت خدیجہ کو بتا دی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یہ روایات اُن صحیح ترین روایات کے بالکل خلاف پڑتی ہیں جو غار حرا میں آپؐ پر پہلی وحی کے نزول اور وہاں سے آپ کی واپسی اور حضرت خدیجہ سے آپ کی گفتگو کے متعلق

منقول ہوئی ہیں۔ اُن سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آغاز نبوت کے موقع پر اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ آپ نبی ہونے والے ہیں اسی طرح حضرت خدیجہ بھی پہلے سے اس کی کوئی توقع نہ رکھتی تھیں۔

آپ کا حضرت خدیجہ سے نکاح میسرہ جو مکہ سے شام تک اور واپسی پر مکہ تک کے طویل سفر میں شب و روز آپ کے ساتھ رہا تھا اور ہر پہلو سے آپ کی زندگی کو دیکھ کر آپ کا بندۂ بے دام بن چکا تھا، اس سے آپ کے حالات سن کر حضرت خدیجہ نے آپ سے شادی کا عزم کر لیا۔ اگرچہ پہلے بھی وہ آپ سے ناواقف نہ تھیں اور قریش میں آپ کے جو محاسن معلومِ عوام ہوتے جا رہے تھے اُن کا چرچا وہ سُن چکی تھیں۔ لیکن اب انہوں نے طے کر لیا کہ حضور سے بہتر شوہر اُنہیں کوئی نہیں مل سکتا۔ نکاح کا معاملہ کس طرح طے ہوا اس کے متعلق کچھ روایات میں اختلاف ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت خدیجہ نے خود حضور سے براہ راست بات کی اور کہا کہ اے ابن عم آپ سے میری قرابت بھی ہے[۵۱] اور میں آپ کی امانت و صداقت اور حسنِ خُلق اور شرافت نسبی اور اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے بھی یہ چاہتی ہوں کہ آپ سے شادی کر لوں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے نکاح کی خواہش ظاہر کرنے سے پہلے اپنی ایک سہیلی نُفَیسہ بنت مُنَیّہ[۵۲] کو آپ کے پاس بھیجا تاکہ آپ کی مرضی معلوم کریں۔ نفیسہ کا اپنا بیان یہ ہے کہ میں نے جا کر آپ سے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" فرمایا "میرے پاس کیا رکھا ہے کہ میں شادی کروں؟" میں نے کہا "اس کا انتظام ہو گیا ہے، اور آپ کو ایک ایسی جگہ شادی کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے جہاں جمال بھی ہے، مال بھی ہے، شرف بھی ہے اور رفاہیت بھی۔ کیا آپ اسے قبول کریں گے؟ فرمایا وہ کون ہے؟ میں نے کہا خدیجہ۔ فرمایا میری ان سے شادی کیسے ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا اسے آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو میں تیار ہوں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ نے پیغام بھیجا کہ فلاں فلاں وقت آ جائیے۔ اور اپنے چچا عَمرو بن اَسَد کو کہلا بھیجا کہ آ کر میری شادی کر دیں (حضرت خدیجہ کے والد خُوَیلِد کا انتقال ہو چکا تھا)۔ اس طرح اُدھر سے عَمرو بن اسد اور

---

۵۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ (حضرت زبیرؓ کی والدہ) حضرت خدیجہؓ کی بھاوج تھیں۔

۵۲ بعض مصنفین نے بنت اُمیّہ لکھا ہے۔

اِدھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں حضرت حمزہ اور ابو طالب کو لے کر پہنچ گئے اور شادی[1] ہو گئی۔ مہر میں حضورؐ نے ۲۰ اونٹ دیئے[2]۔ یہ شادی سفر شام سے حضورؐ کی واپسی کے دو مہینے ۲۵ دن بعد ہوئی۔ حضورؐ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ ۴۰ سال کی تھیں۔

حضورؐ کی ساری اولاد ماسوائے حضرت ابراہیمؑ کے (جو ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے) حضرت خدیجہؓ ہی سے تھی۔ ان میں سے دو صاحبزادے تھے اور چار صاحبزادیاں (۱) القاسم جن کی نسبت سے آپؐ ابوالقاسمؐ کہلاتے تھے۔ (۲) عبداللہؓ جن کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا تھا۔ (۳) حضرت زینبؓ (۴) حضرت رقیہؓ (۵) حضرت اُم کلثومؓ (۶) حضرت فاطمہؓ۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون کس سے بڑا تھا۔

ازدواجی زندگی

اگرچہ حضورؐ کی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر میں ۱۵ سال کا فرق تھا، لیکن دونوں کے درمیان اتنی محبت تھی کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ تمام عمر اُن کو یاد کرتے رہے۔ بخاری میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے: خیر نساء ھا مریم و خیر نساء ھا خدیجہ۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی امت کی بہترین عورت مریم تھیں اور اس اُمت کی بہترین عورت خدیجہ ہیں۔ لیکن مسلم میں یہ روایت وکیع کے حوالہ سے آئی ہے اور اسے بیان کرتے ہوئے وکیع نے آسمان و زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورؐ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وکیع نے یا جن لوگوں سے یہ روایت اُن کو پہنچی تھی انہوں نے اس کا مطلب یہ لیا کہ دنیا کی بہترین خواتین یہ دو ہیں۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی پر مجھے اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجہ پر آتا تھا، حالانکہ آپؐ سے میری شادی ہونے سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اکثر آپؐ کو ان کا ذکر کرتے سنتی تھی، اور جب کبھی آپ کوئی

---

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہماری تحقیق میں وہ تمام روایات غلط ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت خدیجہ کا نکاح ان کے باپ خُوَیلِد نے پڑھایا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ واہی تباہی روایت یہ ہے کہ خویلد کو شراب پلائی گئی اور نشے کی حالت میں اس نے نکاح پڑھا دیا اور ہوش میں آنے کے بعد وہ سخت ناراض ہوا۔ ہمارے نزدیک اہل علم سے جو بات ثابت اور محفوظ ہے وہ یہ ہے کہ خویلد حرب فجار سے پہلے مر چکا تھا اور حضرت خدیجہ کا نکاح ان کے چچا عَمرو بن اسد نے کیا تھا۔

[2] بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے مہر میں ۴۰۰ دینار دیئے اور بعض میں ۵۰۰ درہم کا ذکر ہے۔

بکری ذبح فرماتے تو اس میں سے ضرور حضرت خدیجہ کی ملنے والیوں کو ہدیہ بھیجتے تھے۔ بخاری کی ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ کی بہن حضرت ہالہ بنت خُویلد آئیں اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضورؐ ان کی آواز سن کر تڑپ گئے اور فرمایا اللّٰھم ھالہ (خدایا یہ ہالہ ہوں) کیونکہ ان کی آواز حضرت خدیجہ سے مشابہ محسوس ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس پر میں جل گئی اور میں نے کہا "آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو اتنا یاد کرتے ہیں جسے انتقال کیے مدت گزر گئی اور اللہ نے آپ کو اس سے اچھی بیوی دیدی"۔ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ میری اس بات پر حضور کو غصہ آگیا اور میں نے کہا قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آئندہ کبھی ان کا ذکر بھلائی کے سوا کسی طرح نہ کروں گی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ان کو چھڑانے کے لیے جو فدیہ بھیجا اس میں حضرت خدیجہؓ کا ہار بھی تھا جو انہوں نے ابوالعاص سے اُن کی شادی کے وقت زمانہ جاہلیت میں دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر حضور پر رقت طاری ہوگئی اور آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو ویسے ہی چھوڑ دو اور اس کا فدیہ واپس کر دو۔ سب لوگ اس پر راضی ہوگئے اور ابوالعاص فدیہ کے بغیر چھوڑ دیئے گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی گہری محبت تھی جو ان کی وفات کے بعد بھی عمر بھر آپ کے دل میں تازہ رہی۔

۱۵ سال حضرت خدیجہؓ نبوت سے پہلے اور دس سال نبوت کے بعد آپؐ کی بیوی رہیں۔ نبوت کے دسویں سال ان کا انتقال ہوا جبکہ آپ پچاس سال کے تھے اور وہ ۶۵ سال کی تھیں۔ لیکن آپ نے اپنی ساری جوانی انہی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ گزار دی، اور کسی دوسری عورت کا خیال تک نہ کیا، حالانکہ اُس وقت اہل عرب میں کسی شخص کا ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا کسی درجہ میں بھی معیوب نہ تھا اور نہ بیویاں ہی اس میں مانع ہوتی تھیں۔ خود حضرت خدیجہ کے خاندان سمیت، قریش کے تمام ہی خاندانوں میں ایک ایک شخص کی کئی کئی بیویاں ہونے کی بے شمار مثالیں موجود تھیں۔ اس کے باوجود آپؐ کا پچاس برس کی عمر تک ایک ایسی بیوی پر قانع رہنا جن کی عمر ۶۵ سال کی ہو چکی تھی اُن تمام معترضین کے لیے عملاً ایک منہ توڑ جواب ہے جو عمر شریف کے آخری دس سالوں میں حضور کی کثرت ازدواج کو معاذ اللہ نفس پرستی پر محمول کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم یہ بحث کریں گے کہ عمر کے آخری دور میں وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر آپ نے متعدد نکاح کیے۔

حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد حضور کی مفلسی کا دور ختم ہوگیا۔	خوشحالی کا دور اور آپ کے اخلاقی فضائل کا نمایاں ہونا

پہلے وہ دوسروں کے ذریعہ سے تجارت کرتی تھیں جس میں ان کو فائدہ کم ملتا تھا، کیونکہ دوسرے لوگ جس اخلاقی حالت میں مبتلا تھے اُس میں یہ امر کم متوقع ہو سکتا تھا کہ وہ غیر کے مال میں پوری دیانت اور خیر خواہی سے کام لیں گے۔ مگر جب ان کی تجارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے امین اور فرزانہ شخص کے ہاتھ میں آئی جو فطری خیر خواہی کے ساتھ شوہر ہونے کے باعث بھی اپنی اہلیہ کے حق میں کمال درجہ کے خیر خواہ تھے، تو آپ کی تجارت چمک اٹھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہوا کہ:

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنَىٰ اور اللہ نے آپ کو غریب پایا پھر غنی کر دیا۔

اس دور میں آپ کی صداقت و امانت، معاملات میں انتہائی راستبازی، سخاوت اور جود و کرم، صلۂ رحمی، بیکسوں کی مدد، غربا پروری، اور دانائی و فرزانگی کے وہ اوصاف تمام قریش اور گرد و نواح کے قبائل پر عیاں ہو گئے جو پہلے اپنے ظہور کے مواقع نہ پانے کی وجہ سے مخفی تھے۔ اب معاشرے میں بھی آپ کا مرتبہ محض اخلاقی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ مادی حیثیت سے بھی اتنا بلند ہو گیا کہ آپ کا شمار سرداران قریش میں ہونے لگا۔ آپ کے اوپر لوگوں کا اتنا اعتماد قائم ہو گیا کہ وہ اپنی قیمتی امانتیں آپ کے پاس رکھوانے لگے، حتیٰ کہ یہ سلسلہ اُس وقت بھی جاری رہا جب اعلان نبوت کے بعد مکہ کے عوام و خواص آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ اِس دشمنی کے باوجود وہ اپنی امانتیں آپ ہی کی حفاظت میں دیتے رہے اور ہجرت کے وقت آپ کو اپنے پیچھے صرف اس لیے حضرت علیؓ کو چھوڑنا پڑا کہ ہر ایک کی امانت اسے واپس کر کے آئیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ نبوت سے پہلے ہی نہیں، نبوت کے بعد بھی دشمنان اسلام کے دلوں میں آپ کی دیانت و امانت کا نقش بیٹھا ہوا تھا، اور وہ اپنے درمیان آپ کو سب سے زیادہ قابل اعتماد آدمی سمجھتے تھے۔

تجارتی معاملات میں آپ اس قدر کھرے تھے کہ ایک صاحب جو زمانہ جاہلیت میں آپ کے شریک تجارت رہ چکے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ آپ بہترین شریک تھے۔ کبھی دھوکا نہ دیا، کبھی کوئی چالبازی نہ کی، اور کبھی جھگڑا نہ کیا۔ (ان صاحب کا نام مختلف روایتوں میں مختلف آیا ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں قیس بن السائب بن عُوَیمِر مَخزُومی لکھا ہے۔ مسند احمد کی کسی روایت میں سائب بن عبداللہ المخزومی بیان کیا گیا ہے اور کسی میں سائب بن ابی السائب۔ تاہم ان مختلف ناموں سے جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کا قول یہی ہے کہ میں جاہلیت میں آپ کا شریک تجارت تھا اور آپ کا معاملہ میرے ساتھ وہ تھا جو اوپر بیان ہوا ہے۔) (اضافہ از مؤلف)

(باقی)